اسلاموفوبیا کے بنیادی محرکات کا تجزیہ و تدارک: اسلامی تناظر میں

مبشر حسین *
جمیل اختر **

Abstract

The history of the interaction between Islam and the "others," particularly the West--- that is spread over the span of fourteen centuries--- is full of surprises ranging from learning, peace, alliance and co-existence to hate, controversies and war and beyond. Hence, both the ends took advantages to understand each other but unfortunately the dark side of this interaction has been visible on many occasions because of certain reasons including the stereotypes associated with Islam. The history of the Crusades might be a relevant example in this context, which allows the observers to better understand the various factors behind the conflict between Islam and the West. Some people in the West, relying upon the prevailing stereotypes, consider Islam as a religion of violence and extremism that intends to forcefully "Islamize" the Western world. On the other hand, there are some circles in the Islamic world that believe in the similar stereotypes associated with the West and its civilization. This paper attempts to identify the various domestic and international trajectories of *Islamophobia*---for the attention of policy makers and think tanks---in order to address them from the Islamic religious perspective with the aim to bring about a constructive change to the socio-religious outlook of the hardliners of each end.

KEYWORDS: Islamophobia, socio-religious, conflict, violence, extremism

---

* مبشر حسین، صدر شعبہ حدیث و سنت، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)۔
** جمیل اختر، لیکچرر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات ۔

خلاصہ

اسلامی تہذیب کا غیر اسلامی دنیا اور بطور خاص مغرب کے ساتھ جو تعامل رہا ہے، اس میں دوطرفہ کش مکش کے مختلف مظاہر کم و بیش گزشتہ ایک ہزار سالہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ اس تصادم / کش مکش کی اپنے تئیں ایک بڑی اہم مثال ہے جس سے اس کش مکش کے پیچھے کارفرما مختلف عوامل و عناصر کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا ہے اور اس طرح یہ سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ غربی دنیا میں آباد مسلمانوں کے ساتھ وہاں کے بعض غیر مسلم حلقوں کے رویہ و تعامل میں آج بھی اگر ایک خاص قسم کی حقارت / نفرت کی بو پائی جاتی ہے تو وہ کیوں ہے اور اس کی جڑیں اتنی گہری کیوں ہیں کہ گزشتہ کئی صدیوں سے چلی آنے والی اس کش مکش یا نفرت میں اس وقت بھی کمی دیکھنے میں نہیں آئی جب اسلامی دنیا بدترین زوال اور شکست و ریخت کا شکار رہی اور آج کی نام نہاد مہذب دنیا یا دوسرے لفظوں میں 'سیکولر مغرب'، جہاں مذہبی آزادی کا تحفظ بڑے فخر سے بنیادی دستوری حق مانا جاتا ہے، میں بھی اسلام / مسلمانوں کے خلاف ایسی نفرت / حقارت کا آئے دن اظہار ہوتا رہتا ہے اور نائن الیون کے واقعے کے بعد تو اس میں ڈرامائی طور پر سخت شدت اور اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ اس وقت مغرب میں کئی ایسے حلقے موجود ہیں جو اسلام کو انتہاپسندی، دہشت گردی اور بربریت کا مترادف لفظ سمجھتے ہیں اور پوری طرح اس غلط فہمی کا بھی شکار ہیں کہ مسلمانوں کی مغربی دنیا میں بڑھتی ہوئی تعداد انھیں ضرور ایک دن زبردستی "اسلامائز" کرلے گی۔ دوسری طرف عالم اسلام میں بھی ایسے حلقوں کی کمی نہیں جہاں مغرب اور وہاں سے درآمد ہونے والی ہر چیز کو بلا تفریق شک و شبہ اور نفرت / حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، بلکہ مغرب کی ماضی قریب کی استعماری تاریخ کے پیش نظر یہی سمجھا جاتا ہے کہ پورا مغرب آج بھی اپنی اقدار اور مادہ پرستانہ تہذیب کو اسلام اور مسلمانوں پر بزور مسلط کرنا چاہتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں اسلاموفوبیا کے بنیادی محرکات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں طرف پائے جانے والی مشترکہ مثبت اقدار و اخلاقیات کو تلاش اور نمایاں کیا جائے اور ان اسباب کا سدِّباب کیا جائے جن سے دونوں طرف پائی جانے والی غلط فہمیوں کی آگ کو مزید ایندھن ملتا ہے۔

اسلاموفوبیا: تعارفی و تاریخی پس منظر

"اسلاموفوبیا" یعنی 'اسلام سے خوف' یا صحیح معنی میں "اسلام سے بے جواز / بے وجہ خوف" --- کیونکہ 'فوبیا' خوامخواہ / بلاوجہ کسی چیز سے خوف کھانے کی نفسیات ہی سے عبارت ہے(۱) --- مسلمانوں کے خلاف ایک اصطلاح کے طور پر بیسویں صدی عیسوی کی آخری دو دہائیوں میں سامنے آیا اور بہت جلد مغربی میڈیا نے اسے پوری دنیا میں متعارف کروادیا۔ اس سلسلے میں بالکل ابتدائی نوعیت کی ایک اہم رپورٹ جس میں پہلی بار 'اسلاموفوبیا' کے حوالے سے پائی جانے

والی افراط و تفریط پر برطانوی معاشرے کو خبردار کیا گیا۔وہ رونیمیڈ ٹرسٹ(Runnymede Trust) نے "Islamophobia: A Challenge for Us All" کے عنوان سے ۱۹۹۷ء میں شائع کی [۲]۔مذکورہ ٹرسٹ نسلی مساوات (race equality) کا علم بردار برطانیہ کا ایک لیڈنگ تھنک ٹینک ہے۔[۳] اس رپورٹ کی تیاری کے لیے رونیمیڈ ٹرسٹ نے ایک کمیشن ترتیب دیا جس میں دیگر سٹاف کے علاوہ ۱۸ ممبر، جن میں زیادہ تر مسلمان ماہرین تھے، شریک کیے گئے۔ رپورٹ کے ابتدائیہ میں سَاسیکس یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر گارڈن کانوے (Gordon Conway) جو اس رپورٹ کو تیار کرنے والے کمیشن کے سربراہ تھے، نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ:

> “we did not coin the term Islamophobia. It was already in use among sections of the Muslim community as a term describing the prejudice and discrimination which they experience in their everyday lives. For some of us on the Commission it was a new term, a rather ugly term, and we were not sure how it would be received by the readers of our document. However, it is evident from the responses which we received that Islamophobia describes a real and growing phenomenon—an ugly word for an ugly reality. Hardly a day goes by without references to Islamophobia in the media."[4]

> "انھوں نے اس اصطلاح کو 'ایجاد' نہیں کیا بلکہ یہ مسلمانوں کے بعض ان حلقوں میں پہلے سے زیر استعمال تھی جو اس لفظ کے ذریعے یہ اظہار کرتے تھے کہ کس طرح ہمیں روزمرہ معاملات زندگی میں تعصب اور امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ہم / کمیشن میں سے بعض کے لیے یہ بالکل نئی بلکہ ایک 'بدصورت' اصطلاح تھی اور ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے قارئین اس اصطلاح / لفظ کو کس انداز سے دیکھیں گے۔ البتہ ہمیں جو ریسپانس ملا ہے، اس سے یہ پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ اسلاموفوبیا ایک حقیقی اور بڑھتے ہوئے مظہر کو بیان کرتا ہے---ایک بدصورت لفظ ایک بدصورت حقیقت کو بیان کرنے کے لیے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی دن گزرا ہو اور میڈیا پر اسلاموفوبیا کے حوالے سے کوئی بات نہ کی گئی ہو!"

اس رپورٹ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق، مغربی دنیا کی مسلم اقلیات کی طرف سے اس لفظ کا استعمال اپنے دفاع کے طور پر سامنے آیا جس سے وہ اپنے مخاطبین کو یہ کہنا چاہتے تھے کہ اسلام / مسلمانوں سے 'خوامخواہ' کا خوف نہ رکھے۔ اس کی کچھ تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس رپورٹ کے اگلے ہی سال (۱۹۹۸ء) میں ایک فرانسیسی مسلمان (Soheib Bencheikh) نے " Marianne et le prophète : L'Islam dans la

"France laïque" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں فرانس کے سیکولر نظام / دستور میں پائی جانے والی مذہبی رواداری اور آزادی اظہار رائے کی تعریف کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت اور امتیازی سلوک کو انھوں نے واضح طور پر 'اسلاموفوبیا' کی اصطلاح سے تعبیر کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ حقیقی / صحیح اسلام جمہوری اقدار سے کبھی متصادم نہیں ہو سکتا، اس لیے فرانس کو مسلمانوں سے کسی قسم کا خوف کھانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، بلکہ فرانس کے چالیس لاکھ مسلمانوں (۱۹۹۸ء میں) کی مذہبی آزادی کے پیش نظر اگر ان کی عبادت گاہوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تو یہ بھی کوئی اچنبھے یا پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔[۵] اس رپورٹ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ مغربی میڈیا نے اسلاموفوبیا کو بہت زیادہ ہوا دی ہے اور ظاہر ہے مسلمانوں کے خلاف ایک پراپیگنڈے کے طور پر ایسا کیا گیا اور مسلسل کیا جا رہا ہے۔ اس پہلو کی تفصیلات آئندہ صفحات میں اسلاموفوبیا کے بنیادی محرکات کے تدارک کے ضمن میں بیان ہوں گی۔

یہ رپورٹ اگرچہ برطانوی معاشرے کے پس منظر میں تیار کی گئی لیکن اس میں زیر بحث لائے گئے وہ اسباب و عوامل جن سے اسلاموفوبیا کو ہوا دی جاتی ہے اور پھر اس میں مضمر خطرناک نتائج جن سے مذکورہ کمیشن نے اپنی حکومت کو خبردار کیا ہے، وہ بنیادی نوعیت کی چیزیں ہیں جن کا اطلاق صرف برطانوی معاشرے ہی پر نہیں، بلکہ پورے یورپ اور یورپ سے باہر کی غیر اسلامی دنیا پر بھی اس کا مکمل اطلاق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے نے بیس سال بعد اسی طرح کی ایک اور رپورٹ تیار کر کے حال ہی میں شائع کی ہے اور اس میں دیے گئے اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہنوز توجہ، بلکہ پہلے سے کئی گنا زیادہ توجہ، کا متقاضی ہو چکا ہے اور عالمی قیادت اس مسئلہ کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ اسلاموفوبیا کی بنیاد دراصل مسلمانوں کی طرف منسوب ناپسندیدہ اعتقادات ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں یا ان اعتقادات کے حامل افراد کی جانب نفرت اور حقارت آمیز نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اسلاموفوبیا کا اثر اسکولوں اور کام کی جگہوں سے لے کر ملکی سیاست تک ہر طرف پھیلا نظر آتا ہے۔[۶]

۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد ایک یورپی ادارے European Monitoring Center on Racism and Xenophobia کی طرف سے سب سے پہلے نشر ہونے والی ایک رپورٹ "Summary Report on Islamophobia in the EU after 11 September 2001" کے مطابق یورپ کی کم و بیش پندرہ ریاستوں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جا رہا ہے اور ۹/۱۱ کے بعد اس میں بہت زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔[۷] ۲۰۰۴ء میں اقوام متحدہ نے بھی "Confronting Islamophobia: Education for Tolerance and Understanding" کے عنوان کے تحت اپنے ایک پروگرام میں اسلاموفوبیا کے واضح طور پر بڑھتے ہوئے اثرات کا نوٹس لیا اور اس بات پر گہرے دکھ کا اظہار کیا کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف مذہبی بنیادوں پر

تعصب کو بے جواز ہوا دی جارہی ہے۔(۸) ۲۰۰۸ء میں ورلڈ اکنامک فورم کے زیر اہتمام ۲۱ ممالک میں منعقدہ ایک سروے کے مطابق اسلام اور مغرب کے درمیان عداوت کی خلیج دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔(۹) انٹرنیشنل ہیلسنکی فیڈریشن رپورٹ کے مطابق ۹/۱۱ کے بعد جرمنی میں بالخصوص مسلمانوں کے گھروں کی چھان بین، ان سے پوچھ گچھ معمول بن چکا ہے۔ اور ان سب امور کا واحد محرک اسلام کی طرف ان کی نسبت ہے۔(۱۰)

یورپی کمیشن کے کونسل آف یورپ برائے نسلی امتیازات وصبر /امن و آشتی کے بیان کردہ اسلاموفوبیا کی تعریف کی روشنی میں آج مسلمان نہ صرف عقائد کی بنیاد پر بلکہ نسل کی بنیاد پر بھی امتیازی سلوک کا شکار ہے۔ اس کونسل کی سفارشات رقم کے مطابق نسل سے مراد انسان کی پیدائشی نسبت، رنگ، زبان، مذہب، شہریت اور معاشرہ سے ہے۔ مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان امور میں سے کسی کو بھی بنیاد بنا کر کسی سے امتیازی برتاؤ کرنا نسل پرستی کہلاتا ہے(۱۱) لیکن اس کا واضح نشانہ آج مسلمان ہیں اور نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ آج اسلاموفوبیا کے تصور کو عرب، ایشیائی یا افریقی نسلوں سے جدا کرنا تقریباً ناممکن لگتا ہے۔

اس طرح کی کئی رپورٹیں حالیہ سالوں میں شائع ہوئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف حقارت آمیز رویے (hate crime) کی شرح مسلسل بڑھتی چلی جارہی ہے، مثلاً ایک عالمی ادارے کی ۲۰۱۷ء کی رپورٹ کے مطابق نائن الیون کے بعد مسلمانوں کے خلاف ۹۳ ہیٹ کرائم ۲۰۰۱ء میں ایف۔بی۔آئی۔ میں ریکارڈ کیے گئے جبکہ بعد کے سالوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، حتی کہ ۲۰۱۶ء میں یہ تعداد پہلے سے بڑھ کر ۱۲۷ تھی۔(۱۲) ایک اور بین الاقوامی رپورٹ کے مطابق دنیا میں جن ممالک میں مذہبی پابندیوں / حدود کا تناسب سب سے زیادہ ہے وہ مشرق وسطیٰ اور نارتھ افریقہ ہے لیکن ۲۰۰۷ء-۲۰۱۷ء کی دہائی میں یورپ میں مسلمانوں پر جو مختلف حکومتی سطح پر مذہبی پابندیاں لگائی گئیں، ان کا تناسب مذکورہ ممالک سے بہت بڑھ گیا ہے۔ ان پابندیوں میں یہ بھی شامل ہے کہ مسلمان عورتیں سر / چہرہ ڈھانپنے کے لیے کوئی اسکارف / حجاب استعمال نہیں کریں گی۔(۱۳) مذکورہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلاموفوبیا کی لہر نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، حتی کہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ(۱۴) اور کینیڈا(۱۵) جنھیں مذہبی رواداری کے لحاظ سے نسبتاً اچھے ممالک میں شمار کیا جاتا رہا ہے، بھی اسلاموفوبیا (مسلمانوں کے خلاف ہراس منٹ، ہیٹ کرائم، دہشت گردی اور جارحیت) سے اب مستثنیٰ نہیں رہے، اگرچہ ان ممالک کی حکومتیں مسلم اقلیات کے تحفظ اور اسلاموفوبیا کی بیخ کنی میں کئی موقعوں پر بہت سے مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت سنجیدہ بھی رہی ہیں۔

اسلاموفوبیا (مسلم اقلیات سے نفرت / حقارت) کے بنیادی محرکات

'اسلاموفوبیا' یا معاصر مغربی دنیا میں موجود مسلم اقلیات (ڈائیاسپرا) سے نفرت / حقارت کے اسلامی تاریخ

کے کئی ماہرین، جنھوں نے مذکورہ موضوع کو اپنی حالیہ تحقیقات کا میدان بنایا ہے، نے بہت سے داخلی اور خارجی اسباب بیان کیے ہیں،[۱۶] لیکن ہمارے نزدیک اس کے بنیادی محرک دو ہی ہیں جن کا ظہور مختلف انداز میں ہوتا ہے، اور وہ یہ ہیں: سیاسی بالادستی کارویہ (power politics)، اسلامی تہذیب کے بارے میں غلط فہمی یا اس کی شعوری / غیر شعوری طور پر غلط تعبیر و ترجمانی۔ اسلامی تہذیب کے غلبے یا مقبولیت کے ذیل میں دیے گئے ایک مختصر تناظر میں اس بات کو سمجھنا شاید آسان ہو گا۔

اسلامی تہذیب میں بہت سی ایسی خصوصیات روز اول ہی سے موجود ہیں کہ یہ 'عربی' تہذیب کی بجائے 'عالمی' تہذیب بن کر ابھری ہے۔ اس کی عالمی خصوصیات کے پیش نظر بہت جلد اس کی سرحدیں مشرق و مغرب میں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی تھیں۔ اسلامی تہذیب کے پھیلاؤ کی اصل وجوہات کو نظر انداز کرنے کے لیے اسلام کے خلاف ہر فورم پر یہ پراپیگنڈا ہمیشہ کیا گیا کہ 'اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے'! اگرچہ مغربی دنیا کے بہت سے غیر مسلم دانشوروں نے بھی اس الزام کی محکم بنیادوں پر تردید کی ہے، دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام دور زوال میں بھی معاصر دنیا کا سب سے تیزی سے بڑھنے والا مذہب بن کر سامنے آیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی سائنسی تجزیات پر مشتمل رپورٹ شائع ہوئی ہیں، مثلاً ایک تحقیقی رپورٹ میں یہ پیش گوئی بھی کی گئی ہے کہ ۲۰۶۰ء تک مسلمان اپنی موجود تعداد (۱.۸) سے تقریباً دوگنا یعنی ۳ ارب ہو چکے ہوں گے اور اس طرح اسلام عیسائیت کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کا پہلا بڑا مذہب بن کر سامنے آئے گا۔ اس وقت مسلمان کل آبادی کا ۲۴.۱% ہیں مگر ۲۰۶۰ء تک یہ تناسب (۳۱.۱%) تک پہنچ جائے گا یعنی ہر دس میں سے تین مسلمان ہوں گے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس رپورٹ میں مسلمانوں کی تعداد میں مذکورہ اضافے کی بنیادی وجہ، غیر مسلموں کا اسلام قبول کرنا نہیں، بلکہ مسلمانوں کی اپنی ہی نسلی گروتھ / اضافہ بتائی گئی ہے جس کا زیادہ اثر، رپورٹ کے مطابق، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں دیکھنے میں آئے گا۔[۱۷]

مسلمانوں کی تعداد میں مذکورہ ہوش ربا اضافہ، خواہ اس کی وجہ مذہبی گروتھ ہو یا نسلی یا دونوں، بہت سے مغربی دانشور اسے ضرور ایک ایسی الارمنگ صورتحال کے طور پر دیکھتے ہوں گے جس سے مستقبل میں پوری دنیا پر گہرے سیاسی، معاشی اور سماجی اثرات مرتب ہونا یقینی ہے اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اس سے براہ راست فائدہ بھی مسلمان ہی اٹھائیں گے، خواہ وہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں۔ اس طرح کے نتائج کی حامل رپورٹیں، ظاہر ہے ان غیر مسلم مغربی حلقوں کو مغربی مسلم اقلیات مخالف کارروائیوں پر مزید برانگیختہ اور پریشان کرنے کا محرک ثابت ہوتی ہیں جو پہلے ہی اسلام / مسلمانوں کے بارے میں اوہام یا دقیانوسی خیالات (stereotypes) کا شکار ہیں۔ مغربی دنیا میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ان کے اسلامی تہذیبی مظاہر کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا خواہ ان کا تعلق عبادت / مسجد سے متعلقہ انفرادی (پرائیویٹ) امور سے ہو یا سماجی و ثقافتی تعامل کی مختلف صورتوں سے، کیونکہ یہ اسلامی تہذیبی

مظاہر مغرب میں ان کی موجودگی یا شناخت کا ایک خاص احساس پیدا کرتے ہیں، حالانکہ اس سے مغرب کی مادی ترقی میں کہیں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ مظاہر مغرب کے غیر مسلموں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں کوئی خاص 'مداخلت' پیدا کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود اسلام مخالف عناصر ان تہذیبی مظاہر کو کبھی "تہذیبی تصادم"(۱۸) (clash of civilizations) کے نظریے کے ساتھ پیش کرتے ہیں، کبھی اسے امن عامہ کے لیے خطرہ قرار دیتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرانس کو لیجیے جہاں ۲۰۰۴ء میں عوامی مقامات پر چہرے کا نقاب کرنے پر پابندی عائد کی گئی۔ مزید شومئ قسمت کہ ان تمام مخالفانہ محرکات کے پیچھے مغربی میڈیا کا بھی اہم کردار نظر آتا ہے۔ آج تہذیبی تصادم کے نام پر تشخص اسلام کو مسخ کیا جارہا ہے اور آئے دن اسلام اور مسلمانوں پر حملے کیے جارہے ہیں۔(۱۹) اسلاموفوبیا کا تصور بھی اسی تہذیبی تصادم کے نتیجے میں ابھرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے بحیثیت انسان بنیادی انسانی حقوق کو پہچانا جائے یا معاشرے کے دیگر افراد کی طرح انھیں بھی جان و مال اور عزت کا پورا تحفظ فراہم کیا جائے آج مغربی دنیا میں مسلمان مجموعی طور پر طبقاتی / امتیازی برتاؤ اور عدم تحفظ کا شکار ہیں۔

ا۔ سیاسی بالادستی (power politics) کا رویہ اور اس کے منفی اثرات

مذکورہ بالا تناظر میں اگر ہم اسلاموفوبیا کے بنیادی محرکات کی طرف واپس آئیں تو ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ معاصر دنیا میں سیاسی بالادستی کی ایک جنگ بپا ہے جس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسان کی۔ ہر قوم یا معاشرے میں ایک طبقہ ایسا ضرور ہوتا ہے جو سیاسی بالادستی کو ہمیشہ اپنا حق سمجھتا ہے۔ اگر اسے موقع ملے تو وہ اس موقع کو ضائع نہیں کرتا اور اگر موقع نہ ملے تو وہ ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو کر امن عامہ کے لیے خطرہ بننے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس ضمن میں او آئی سی (Organization of Islamic Cooperation) کے سیکریٹری جنرل (۲۰۰۴-۲۰۱۴ء) پروفیسر ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو کا یہ بیان شاید بے محل نہ ہو جس میں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ نائن الیون کے حملے کے ذمے داران بدقسمتی سے بعض مسلمان تھے جو بہر حال ردعمل کی نفسیات کا شکار ہوئے تھے لیکن انھیں اس ضمن میں دو باتوں پر اعتراض ہے۔ ایک تو یہ کہ مغرب نے جس طرح اس بنیاد پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو بدنام اور مطعون کرنا شروع کیا ہے، وہ ہرگز ایسا نہ کرتا اگر اس واقعے کے ذمے داران کسی اور مذہب سے وابستہ نکلتے۔ مغرب کے اس سیاسی رویے کو وہ اسلاموفوبیا کی جڑ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا اس بات کا ضرور ادراک کرے کہ مین اسٹریم مسلمان اور انتہاپسند مسلمان دو علیٰحدہ چیزیں ہیں۔ اول الذکر ہی بنیادی طور پر اسلام کا ترجمان سمجھا جاتا ہے جبکہ مؤخر الذکر ہمیشہ ایک قلیل طبقہ ہوتا ہے جو مختلف وجوہات کی بنا پر دہشت گردانہ اور شدت پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انتہاپسند ۹/۱۱ اور اس کے بعد یورپ میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات میں

ملوث ہوئے ہیں، مین اسٹریم اسلام ان کے اقدامات کو غلط قرار دیتا ہے، اس لیے کہ یہ اقدامات اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ لیکن دوسری طرف مغرب میں بھی کچھ ایسے حلقے موجود ہیں جو مؤخر الذکر طبقے کے انھی انتہا پسندانہ اقدامات کو بنیاد بنا کر اسلاموفوبیا کو پروموٹ کر رہے ہیں۔[20]

احسان اوغلو نے دوسری اہم بات صرف اشارتاً کی ہے --- جو ہمارے نزدیک پہلی سے زیادہ اہم ہے اور اس کی مزید تفصیل و تجزیہ ہم آئندہ سطور میں پیش کر رہے ہیں --- وہ یہ کہ بعض مغربی "دانشور" تاریخ اسلام کی غلط تعبیر کرتے ہوئے اسلاموفوبیا کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام کا روز اول ہی سے یہ مشن / مقصد رہا ہے کہ وہ تمام دنیا کو اور بطور خاص مغرب کو زبردستی "اسلامائز" کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صاف لفظوں میں اس کے برعکس یہ کہا گیا ہے کہ "دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں"۔ نیز اسلامی تاریخ اس غلط تعبیر کے سراسر خلاف ہے کیونکہ مسلمانوں نے ہر دور میں اور بطور خاص اپنے دور عروج میں غیر مسلموں کو کبھی بزور مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ انھیں ان کے تمام جائز حقوق مہیا کیے ہیں، حتیٰ کہ بہت سے مواقع پر انھیں حکومت و اقتدار میں بھی شریک کیا۔[21]

۲۔ اسلامی تہذیب کے بارے میں غلط فہمی یا اس کی شعوری / غیر شعوری طور پر غلط تعبیر و ترجمانی اور اس کے منفی اثرات

اس تاریخی حقیقت سے آج مغربی محققین بھی انکار نہیں کرتے کہ یورپ میں ازمنہ وسطیٰ (medieval era) میں اسلام کے خلاف، بغیر کسی مستند ذرائع کے محض سنی سنائی فرضی کہانیوں کی بنیاد پر ایک نفرت اور حقارت آمیز تاثر قائم کیا گیا[22] جس کا ایک سبب، بشمول دیگر اسباب کے، مسلمانوں کی عیسائی دنیا پر سیاسی برتری بھی تھا۔ اس حقارت آمیز تاثر کو پروان چڑھانے میں عیسائی راہبوں کے علاوہ یورپ کے ادیب، شاعر، دانشور اور صاحب اقتدار سبھی طبقات نے برابر حصہ لیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پائی جانے والی ہر غلط فہمی کسی نہ کسی طرح آج مغرب میں اسلاموفوبیا کی ترویج کا باعث بن رہی ہے۔ ان غلط فہمیوں کی اشاعت کے خارجی ذمہ داران میں وہ عیسائی مذہبی پیشوا نظر انداز نہیں کیے جاسکتے جو صلیبی جنگوں میں اپنے مفادات کے لیے اسلامی دنیا کے خلاف سیاسی استحکام کے لیے سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں اور انھی کا عکس (reflection) بہت سے محققین کو مستشرقین اور تحریک استشراق کی علمی سرگرمیوں میں دکھائی دیتا ہے۔[23] لیکن حیرانی ہوتی ہے جب یہی بازگشت ہمیں معاصر عیسائی مذہبی رہنماؤں کے ہاں سے سنائی دیتی ہے، مثلاً جیسے پوپ بینڈیکٹ XVI کے بعض بیانات کو مسلمان حلقوں میں اسی تناظر سے دیکھا گیا ہے۔[24]

اسلام دشمنی میں بعض مغربی سیاستدان بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں، مثلاً سابقہ امریکی صدر جارج ڈبلیو۔ بش وہ شخص ہے جس نے اسلام کے خلاف پہلی مرتبہ "اسلاموفاشزم" کی اصطلاح متعارف کروائی۔[25] ۲۰۰۸ء کے امریکی

الیکشن کو ہی لیجیے جہاں صدر بارک اوباما کو محض اس لیے ہدف تنقید بنایا جاتا رہا کہ ان کے آباواجداد مسلمان تھے اور اسلاموفوبیا کا ڈر تھا کہ اوباما صاحب اپنے آباؤاجداد کے مسلمان ہونے کی نفی کرتے رہے۔[۲۶] ترکی کو یورپی یونین میں شامل نہ کیے جانے کی بھی سب سے اہم وجہ یہی اسلام (یعنی اسلامی تہذیب اپنے غلط مفہوم میں) بتائی جاتی ہے۔ مزے کی بات یہ کہ ۲۰۰۴ء میں جب ترکی کی شمولیت یا عدم شمولیت کے متعلق بنائی گئی یورپی کمیشن نے ترکی کی شمولیت کے متعلق مثبت اشارے دیے تو یورپی یونین کے 'داخلی تجارتی کمیشنر' فرِٹس بولکنسٹاین (Frits Bolkenstein) نے اس پر نقد کرتے ہوئے یہ کہا کہ "ترکی کی شمولیت کا مطلب ویانا کی ۱۶۸۳ء میں حاصل کی گئی آزادی کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔" یاد رہے کہ ان کا اشارہ عثمانی ترکوں کی اس شکست کی طرف تھا جس کا سامنا انھوں نے ویانا میں کیا تھا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ترکی کو یورپی یونین میں شامل کرنے کا مطلب "یوریبا" بنانا ہے۔ اس سارے سیاق کو اگر تفصیل میں جاکر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ اس میں اسلامی تہذیبی اختلاف کو بینادی وجہ بتا کر ترکی کو یورپی یونین سے علیحدہ رکھا گیا ہے، ورنہ خطرہ تھا کہ ۶۸ ملین مسلمان اس سے مستفید ہوتے ہوئے یورپی ممالک میں داخل ہو جائیں گے اور بہت سے یورپی ممالک واضح طور پر اس نئے منظرنامے یعنی مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کے یورپ میں داخل ہونے پر "خائف" ہے۔[۲۷]

EUMC کی ۲۰۰۶ء میں منظرعام پہ آنے والی رپورٹ کے مطابق مغربی ممالک میں مسلمان عموماً غربت کی زندگی گزار رہے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دیگر اقوام سے تعلیم اور دیگر سہولیات زیست میں سب سے پیچھے ہیں۔ اسی رپورٹ[۲۸] کے مطابق ایسے بے شمار شواہد سامنے آئے ہیں جن کے مطابق مسلمانوں کو ملازمت کے حصول میں امتیازی برتاؤ کا سامنا ہے۔ ان پر ایک بڑا الزام یہ ہے کہ وہ جمہوریت، مغربی دساتیر اور انسانی حقوق جیسے امور پر مغرب میں آنے والی دیگر اقوام کی نسبت کم یقین رکھتے ہیں اور اس کی وجہ ان کا مذہب یعنی اسلام / اسلامی تعلیمات کو قرار دیا جاتا ہے جو انھیں مغربی ملکی قوانین کی پاسداری / وفاداری سے روکتا ہے۔ عمومی الزام یہی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو سب سے پہلے مسلمان کہنا پسند کرتے ہیں نہ کہ برطانوی یا فرانسیسی یا سپینش وغیرہ۔ یہی بات کچھ ممالک میں مسلمانوں کی شہریت کو ختم کرنے کا سبب بھی بن رہی ہے اور اسی رویّے کی وجہ سے وہ سیاسی طور پر بھی دیگر اقوام سے پیچھے ہیں۔ بعض یورپی ممالک کا رخ کرنے والے مسلمانوں سے ان اسلامی احکامات کے حوالے سے بھی پوچھا جاتا ہے جو ان کے خیال میں ان کے ملکی قوانین کے متصادم ہیں مثلاً میراث اور حجاب وغیرہ کے احکام۔[۲۹] مغربی دنیا میں نقل مکانی کرنے والے مسلمانوں سے ایسے سوالات کا مقصد یہ جاننا بھی ہے کہ آنے والے مہاجرین کا اسلامی تہذیب اور دیگر مسلمانوں، جن میں متعلقہ ملک میں پہلے سے قیام پذیر مسلمان بھی شامل ہوتے ہیں، سے کس درجہ کی مذہبی وابستگی پائی جاتی ہے، کیونکہ اس وابستگی کو اب ریاستی وفاداری کے تناظر میں پرکھا جانے لگا ہے جس پر کئی اسلامی سکالرز نے اعتدال کی راہ نکالنے کی بھی کوشش کی ہے۔[۳۰]

اسلاموفوبیا کا تدارک: اسلامی رہنمائی

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلاموفوبیا (مسلمانوں کے خلاف حقارت آمیز رویہ اپنی جملہ شکلوں کے ساتھ) وقت کے ساتھ ساتھ خطرناک حد تک بڑھتا چلا جارہا ہے، جس کا اثر یا تو براہ راست مغرب میں مقیم مسلمانوں کے ساتھ نفرت، ان کی تذلیل اور ان کو ہراساں کرنے اور کمتر شہری گردانے کی شکل میں آتا ہے یا پھر شعائر اسلام اور پیغمبر اسلام کا طنز و مذاق اڑا کر، یا مساجد اور اسلامی مراکز پر حملے کرکے، تاکہ اسلامی تہذیب و شعائر کا استہزا کیا جائے جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے۔(۳۱) لیکن ان حالات میں ایک مسلمان کو انفرادی یا اجتماعی سطح پر اسلامی ہدایات کی روشنی میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے، ذیل میں اس سلسلہ میں چند نکات پر بات کی جائے گی۔ اسلامی تناظر میں اسلاموفوبیا کا بت توڑنے کے لیے مسلمانوں کو اس ضمن میں دی گئی متعلقہ ہدایات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اسلام اور مغرب میں غلط فہمی بڑھانے والے عوامل کا سد باب

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام / مسلمانوں کے خلاف نفرت اور غلط فہمیاں پھیلانے میں سب سے اہم ہاتھ اس طاقتور مغربی میڈیا کا ہے جو عموماً تصویر کا ایک رخ ہی دکھاتا ہے اور وہ لاشعوری طور پر ایسا نہیں کرتا بلکہ مین اسٹریم میڈیا میں باقاعدہ طور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت آمیز مواد شائع کیا جاتا ہے۔ مختلف پروگراموں میں خواہ اس کا تعلق سیاسی گفتگو سے ہو یا خبروں سے ہر جگہ اسلام کو بگاڑ کے پیش کیا جاتا ہے۔ اسلام کو دہشت گردی، قدامت پسندی، تنگ نظری اور ظلم وغیرہ کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ غلط فہمی پھیلانے والے اس میڈیا کے جن کا مقابلہ اگرچہ بہت مشکل ہے لیکن اس کے سد باب کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اس کا میدان خالی نہ چھوڑیں۔ امت مسلمہ کو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے طاقتور وسائل کو بروئے کار لانا ہوگا اور اس سلسلے میں قرآن مجید کی اس رہنمائی کو مد نظر رکھنا چاہیے:

> إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ (۳۲)
>
> "بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے، پھر مغلوب ہو جائیں گے۔"(۳۳)

اس میں سبق یہ ہے کہ اگر غیر مسلم اسلام کا راستہ روکنے کے لیے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے وسائل خرچ کرتے ہیں تو مسلمانوں کو بالاولیٰ انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر اسلام کا صحیح پیغام پہنچانے کے لیے اپنے وسائل کو بروئے کار لانا

چاہیے اور اس بارے سنجیدہ اور فکر مند ہونا چاہیے۔ سورۃ العصر میں "وتواصوا بالحق" میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کریں، یعنی حق / اسلام کے بارے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کریں۔ اسی طرح قرآن مجید کی جن بے شمار آیات میں مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ کی ذمے داری سونپی گئی ہے، ان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پائے جانے والے اوہام اور دقیانوسی خیالات کی تردید کو امت مسلمہ کے تمام طبقے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر انجام دیں۔

اسلاموفوبیا صرف مسلمانوں ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ مغرب بھی اس کے بڑھتے ہوئے منفی اثرات کو اپنے لیے کئی لحاظ سے خطرہ سمجھتا ہے۔ مغربی دنیا میں ایسے دانشوروں، پالیسی ساز اداروں اور سیاستدانوں کی کمی نہیں جو اس کا بخوبی ادراک رکھتے ہیں کہ کوئی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہاں کے لوگ ایک دوسرے کے نظریات اور نسبتوں کا احترام نہ کریں خواہ اس کا تعلق اسلام سے ہو یا کسی بھی دوسری قوم سے، مشرق سے ہو یا مغرب سے۔ اسی طرح وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ دنیا میں عالمی امن کا حصول بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اقوام عالم ایک دوسرے کا احترام نہ سیکھیں اور مغربی ممالک ان تمام مسلمانوں کو وہی عزت نہ دیں جو وہاں کے ایک عام شہری کو دی جاتی ہے۔ نیز مغربی دنیا میں "ریسزم" داخلی سطح پر ایک ایسا پریشان کن مسئلہ ہے جس کے خاتمہ کے لیے سنجیدہ حلقے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں اور وہ اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ اسلاموفوبیا بھی ایک نئی شکل کا "ریسزم" بنتا چلا جا رہا ہے جس پر اگر بروقت قابو نہ پایا گیا تو آنے والے وقت میں یہ بھی مغربی دنیا کے امن و سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا تناظر میں ان کے لیے یہ سمجھنا کوئی دشوار نہیں کہ اسلاموفوبیا کا تصور کبھی بھی مغربی اقلیات / مسلمانوں کو یہ احساس نہیں دلاتا کہ وہ اس معاشرے کے اکائی ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کو ہمیشہ یہی احساس دلاتا ہے کہ وہ اجنبی ہیں اور ملکی معاملات میں دخل اندازی کا کسی صورت کوئی حق نہیں رکھتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ایک ہی معاشرہ میں مختلف متضاد احساسات کے حامل افراد کا وجود عمل میں آتا ہے جو کہ کسی بھی معاشرہ کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے جو مغربی دانشور اسلاموفوبیا کو اپنے ملک / معاشرے کے لیے یا عالمی سطح پر برا سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے دفاع میں کسی نہ کسی طرح اسلاموفوبیا کی بیخ کنی کی کوئی آواز اٹھاتے ہیں تو پوری دنیا کے مسلمانوں کو "تعاونوا علی البر "[۳۴] کے اسلامی / قرآنی قاعدے کے مطابق اس پر خوش آمدید کہنا چاہیے اور مغربی دنیا میں ایسے دانشوروں، سیاستدانوں، تھنک ٹینک اور اسکالرز کی کمی نہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے، خواہ وہ مادی ہو یا سیاسی، ضرور مسلمانوں کا مقدمہ لڑتے ہیں یا کم از کم ان کی وکالت کی اپنی سی ایک کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مثال ملاحظہ کریں۔ ۲۰۰۷ء میں اقوام متحدہ میں متعین انسانی حقوق کے کمیشنر لوئس اربر نے کہا کہ یورپ میں مسلمانوں کے خلاف مذہبی نفرت اور تعصب انتہا پر پہنچا ہوا ہے اور یہ مغرب کے مقتدر / حکومتی طبقہ کی ذمے داری ہے کہ وہ اس نفرت اور تعصب

کے تدارک کا سامان مہیا کرے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ یہ اہلِ مغرب کے لیے باعث تشویش ہونا چاہیے کہ آج کے اس متمدن دور میں بھی ایسی 'قباحتیں' ان کے معاشروں میں پائی جاتی ہیں۔[۳۵]

اسی طرح کئی مغربی غیر مسلم محققین نے اسلاموفوبیا کے تناظر میں اپنی تحقیقات میں مسلمانوں کا دفاع کیا ہے، اس ضمن میں اکتوبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہونے والی جرمن اسکالر پیٹر افیلڈ کی کتاب[۳۶] بھی بہت اہم ہے، جس میں خاص طور پر جرمنی میں مسلمانوں کے خلاف نسلی اور مذہبی بنیادوں پر طبقاتی سلوک کو محل بحث بنایا گیا ہے۔ مصنفہ کے بقول مغربی دنیا کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی بڑھتی چلی جارہی ہے جس کے مختلف اسباب کی انھوں نے نشان دہی کی ہے۔ وہ اس بات پر تنقید کرتی ہیں کہ مغربی سیاستدان جس طرح اسلام اور مسلمانوں پر تنقیدی انداز میں بات کرتے ہیں، اس طرح وہ یہودیوں اور یہودیت کے بارے میں بالکل نہیں کرتے۔ مصنفہ کا استدلال ہے کہ جب قرون وسطیٰ کے یورپیوں نے اپنی ایک یورپی شناخت قائم کرنا شروع کی، تو انھوں نے اس شناخت کو اسلام اور مشرق دشمنی / مخالفت کی بنیادیں فراہم کیں اور آج پھر مغرب یہ تاریخ دہرانے جارہا ہے جس کے نقصان دہ نتائج سے مصنفہ نے خبردار کیا ہے۔

اسی طرح امریکی یونیورسٹی مشی گن کے پروفیسر جان کول (Juan Cole) کی ۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب بعنوان: Engaging the Muslim World بھی اہم ہے جس میں انھوں نے اسلاموفوبیا کے تناظر میں بہت سے غلط تصورات پر علمی تنقید کرتے ہوئے مسلمانوں / اسلام کا دفاع کیا ہے اور ایسے بہت سے خیالات کی تردید کی ہے جو اسلام پر تشدد اور انتہاپسندی پھیلانے کا الزام لگاتے ہیں۔ انھوں نے اس بات پر بھی دلائل دیے ہیں کہ پیغمبر اسلام امن اور رحمت کے پیغمبر تھے۔

مکالمہ / افہام و تفہیم اور مشترکہ اقدار کی تلاش

اسلام اس بات سے قطعاً منع نہیں کرتا کہ خیر اور حکمت کی بات اگر اسلامی مآخذ کے علاوہ کہیں اور سے بھی دریافت ہو تو اسے نہ لیا جائے، بلکہ خیر، حکمت اور معروف کے جملہ افعال اسلام کی نگاہ میں قابل تحسین و تعریف ہیں۔ اسلام نے غیر مسلم قوموں سے تعامل کے سلسلے میں ایک بنیادی اصول "مشترکات کی تلاش" بھی قائم کیا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے مشترکات پر ایک دوسرے کے قریب آنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔[۳۷] باہمی افہام و تفہیم کے باب میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ مغربی معاشروں اور اسلامی دنیا کے مابین حائل پردوں کو اسی طرح پاٹا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو مغرب کے بارے میں شاید زیادہ غلط فہمیاں نہ ہوں گی، مگر مغرب میں اسلام اور اسلام کے مزاج کو سمجھنے کے باب میں شدید کمی پائی جاتی ہے۔ مکالمے کا فائدہ ہی یہ ہے کہ بجائے ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کے مشترکہ مفادات پر بات کی جائے اور افہام و تفہیم کے ساتھ آگے بڑھا جائے۔

اس وقت مغربی دنیا میں سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے جسے کئی مغربی ملکوں کا سرکاری مذہب ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اسی طرح یہودی مذہب بھی مغربی دنیا پر بہت گہرا اثر ورسوخ رکھتا ہے۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت یہ تینوں ابراہیمی مذاہب ہونے کے ناطے بہت سے مشترکات رکھتے ہیں، مثلاً ایک طرف اگر اہلِ کتاب بھی خدا کو ماننے والے ہیں تو دوسری طرف اسلام بھی اہلِ کتاب کے انبیاءؑ کو پوری عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا اور سچے نبی تسلیم کرتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دیگر مذاہب کے مشترکات اور ان کے ساتھ اسلام کی ہمدردانہ تعلیمات کو نمایاں کریں تاکہ انھیں اسلام کے قریب آنے اور سمجھنے کا دوستانہ ماحول فراہم ہو۔ مغربی دنیا میں ایسے غیر مسلم دانشوروں کی بھی کمی نہیں جو چاہتے ہیں کہ مشترکہ امور کو بنیاد بنا کر عالمی امن عامہ کے مثبت اصول وضع کیے جائیں۔[۳۸] اسلامی تہذیب کو سمجھنے اور مختلف عقائد و مذاہب کے حامل افراد کے مابین ہم آہنگی کو فروغ دینے والے بہت سے ادارے مغرب میں اپنا مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ کوششیں جاری رہنی چاہییں اور اس کے مثبت اثرات پر توجہ کرنی چاہیے۔ اسلام اس بات سے منع نہیں کرتا کہ ایسی کوششوں کا محرک غیر مسلم ملک اور ادارہ ہے۔

مغربی فریم ورک اور مغرب کی اسلام دوست پالیسیوں سے استفادہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر چلنے کی پوری استطاعت رکھتا ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ آج کی مغربی دنیا میں مسلمانوں کے لیے پائی جانے والی بہت سی مشکلات کے باوجود ریاستی اور دستوری سطح پر ایک ایسا فریم ورک ضرور موجود ہے جس میں مسلم اقلیات کے بہت سے حقوق اور مفادات کا تحفظ یقینی ہے، کیونکہ مغرب مجموعی طور پر مذہبی رواداری، مذہبی و ثقافتی تکثیریت، انسانی حقوقِ مساوات وغیرہ کو جس انداز میں دیکھتا ہے اس کا ایک مثبت اثر مسلم اقلیات پر براہ راست واقع ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مغربی ملک میں "ریاستی وفاداری" کے باب میں مسلمانوں کو ان کے مذہب / اسلام کی وجہ سے موردِ الزام ٹھہرایا جائے تو وہاں مسلمانوں کو یہ بات اٹھانی چاہیے کہ ایسا انھی / مغرب کے فریم ورک کے مطابق "اصول انصاف" کے خلاف ہے۔ کیونکہ طبقاتی اور امتیازی سلوک پر مبنی کوئی بھی اقدام اس وقت درست مانا جا سکتا ہے جب کوئی بھی مغربی ملک آزادی اور جمہوریت کی بات نہ کرے، بلکہ صرف یہ کہے کہ ان کے ملکوں / علاقوں میں وہی لوگ آباد ہو سکتے ہیں جو صرف عیسائی ہوں یا سفید فام۔ ظاہر ہے ایسی بات اقوام متحدہ کے ممبر ممالک میں سے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا!

مسلمان اور مغربی اقوام اکثر جگہ دستوری اعتبار سے ایک ہی ملک / حکومت کے برابر درجے کے شہری کے طور پر رہ رہے ہیں، اس سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بنیادی اخلاقی قدروں میں اسلام اور اہلِ کتاب میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ اسی طرح مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں میں بہت سی مثبت اقدار ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں

موجود ہوتی ہیں جنھیں پہچاننے کے لیے بصیرت چاہیے۔ اس تناظر میں مسلم اقلیات کو تہذیبی تصادم کے منفی مفروضات کی تردید پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، بلکہ اب ایسے مسلمان سکالروں کی کمی نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تعدد تہذیب وقت کی اہم ضرورت ہے اور یہ اسلامی اقدار سے متصادم نہیں، مثلاً مغربی دنیا میں خاصے مقبول ہونے والے اسلامی دنیا کے ایک معاصر عالم دین عبداللہ بن بیہ کو لیجیے جن کے خیال میں تعدد تہذیب کے لیے مشترک اخلاقی اقدار کے ٹوہ میں لگنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ان کے مطابق متفقہ اقدار بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں جس کی بیّن مثالیں انسان کا سوچنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونا اور زبانوں کا مشترک ہونا ہے۔ ہر صاحب عقل وشعور حق ہی کی بات کرے گا اور ہر زبان میں اس کے لیے کوئی نہ کوئی لفظ بھی ہو گا مثلاً سچائی، آزادی، صبر، استقامت اور ان جیسی دیگر اصطلاحات۔ کون سی تہذیب ایسی ہو گی جو ان اقدار کی تعریف نہ کرے! [۳۹]

فقہی مباحات کے دائرے میں حکمت عملی اور غیر مسلموں سے تعامل کی قابل عمل شکلیں

مباحات (واضح حلال وحرام کے علاوہ) میں اسلامی رہنمائی یہ ہے کہ اگر اس کے کرنے سے کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہے تو اسے نہ کیا جائے جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر نو کے موقعے پر اس اصول کا عملی اطلاق کر کے دکھایا تھا۔ مغربی ممالک کے قوانین میں کئی اس طرح کی چیزیں ہو سکتی ہیں جن کا اسلامی تعلیمات سے بظاہر تعارض لازم آتا ہے، لیکن اگر ان امور میں چند جید علما یا اسلامی اسکالر جو سیاق وسباق (کنٹیکسٹ) سے اچھی طرح باخبر بھی ہیں، ایسی رائے رکھتے ہوں جسے اپنانے سے ایک مسلمان مغربی ملک کے قوانین کے دائرہ سے بھی نہیں نکلتا اور خدا کی نگاہ میں بھی نافرمان نہیں ٹھہرتا تو اس رائے کو اپنا لینا چاہیے، [۴۰] تاوقتیکہ آپ مقامی قوانین یا حدبندیوں کو ان کے قانونی وجمہوری طریقے سے اپنے حق میں تبدیل نہ کروالیں۔ اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کی سیرت سے ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جہاں کسی وسیع تر اجتماعی سماجی یا سیاسی مقصد کے لیے غیر مسلم قوموں سے الحاق / معاہدے کرنا پڑے۔ [۴۱]

عدل وانصاف اور رد عمل کی نفسیات کا محاکمہ

مسلمانوں کے خلاف عالمی سطح پر ہونے والی مسلسل تنقید اور دباؤ نے حالت اس نہج تک پہنچا دی ہے کہ آج مسلمان یا تو احساس کمتری کا شکار ہو گئے ہیں کہ وہ اپنا حق دفاع استعمال کرنے سے بھی کتراتے ہیں یا پھر رد عمل میں مغرب کے خلاف یا خود اسلام کے دفاع میں بعض ایسے اقدامات کر گزرتے ہیں جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ رد عمل کی نفسیات میں کوئی بھی انسان یا معاشرہ اکثر اوقات عدل وانصاف کا ترازو بھول جاتا ہے۔ اس اصولی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مسلمان فرد / جماعت / ملک رد عمل کی نفسیات میں مغرب کے خلاف کوئی ایسا اقدام کرے جس کی اسلامی تعلیمات میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں تو دیگر مسلمانوں کو ایسے ہر اقدام کی مذمت کرنی چاہیے،

کیونکہ قرآن مجید میں صاف لفظوں میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی قوم کی دشمنی میں تم انتا ردعمل نہ دکھاؤ کہ انصاف کا ترازو چھوڑ بیٹھو۔ (۴۲)

صبر و استقامت کا رویہ

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ متعدد مغربی ممالک میں مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانے پر ایک خوف کی فضا بنتی دکھائی دے رہی ہے اور ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہری کا سلوک کیا جاتا ہے۔ ان تمام ناگفتہ بہ حالات کے باوجود بھی مسلمانوں کو صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور اس وقت کو یاد کرنا چاہیے جب پیغمبر اسلام اور ان کے رفقا کو مکی دور میں اسی طرح کے بلکہ اس سے بھی ابتر حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، مگر ان کے صبر و استقامت نے ان کی مدد کی اور وہ تاریخ میں کامیاب و کامران قرار پائے۔ اسی لیے قرآن مجید میں صبر و استقامت کی بہت سے مقامات پر ہدایت کی گئی ہے۔اس لیے مسلم اقلیتوں کو اپنے خلاف پھیلائے گئے پراپیگنڈے کے جواب میں اپنا مبنی برحق مؤقف صبر و استقامت کے ساتھ بیان کرتے رہنا چاہیے اور یہ امید رکھنی چاہیے کہ فتح و نصرت ہمیشہ حق کے ساتھ ہے!

خلاصۂ بحث

غیر اسلامی دنیا کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ مسلمان نہ صرف نظری طور پر بلکہ اپنی عملی (سماجی، معاشی و سیاسی) زندگی میں بھی اپنے دین / مذہب کے ساتھ والہانہ وابستگی رکھتے ہیں اور اپنے معاشرتی رویوں اور طرز زندگی میں ہر دور میں وہ اسلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ اسلام سے مسلمانوں کی یہ وابستگی اتنی گہری ہے کہ اس کی مسلمات اور بنیادی تعلیمات کے خلاف وہ کسی بھی تنقیدی نقطہ نظر کو مخالف کی محض ایک رائے یا نقطہ نظر کے طور پر قبول کرنے پر کبھی بھی آمادہ نہیں ہوں گے، بلکہ ایسی ہر تنقید کا وہ بھرپور دفاع کرتے ہیں اور کریں گے، اور بعض اوقات اس پر شدید ردعمل کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اسلاموفوبیا کو ہوا دینے والا طبقہ، جو مغرب کی مین اسٹریم نہیں ہے، یہی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کو مختلف طریقوں (اسلامی تہذیب کے خلاف غلط فہمیوں، شعائر اسلام پر طعن و تشنیع، پیغمبر اسلام کی اہانت، مسلمانوں کے خلاف ہراسمنٹ اور ہیٹ کرائم وغیرہ) سے اس حد تک انگیخت کیا جائے کہ وہ مغرب سے تصادم / مزاحمت پیدا کرے، تاکہ تہذیبوں کے تصادم کے نظریہ کو یقینی ثابت کیا جاسکے اور پھر مغرب کی موجودہ مادی بالادستی کو اسلام / مسلمانوں کے خلاف پوری قوت سے استعمال میں لایا جائے۔ افسوس ہے کہ مغربی میڈیا پر اس طبقے کا خاصا اثر ورسوخ ہے۔ دوسری طرف یہی کام کچھ مسلمان طبقے بھی اپنی نادانی، کم ظرفی یا ردعمل کے طور پر کر رہے ہیں۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام میں اتنی قوت ہے کہ یہ مزاحمت کی بجائے اگر پرامن طریقے سے غیر اسلامی دنیا سے اپنا تعلق آگے بڑھائے تو اس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس کے مثبت

اثرات پتھر دلوں کو بھی موم کر لیتے ہیں، لیکن اگر جارحیت یا تصادم کے عوامل کو روکنے اور ان سے پہلو بچانے کی کوشش نہ کی گئی تو آج کی دنیا میں ایسا ہر تصادم مسلمانوں ہی کے حق میں نقصان دہ ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ https://www.merriam-webster.com/dictionary/phobia (28-08-2019)

۲۔ Runnymede Trust, *Islamophobia: A Challenge for Us All* (UK: Runnymede Trust, 1997), www.runnymedetrust.org/publications/17/32.html (23-8-2019)

۳۔ https://www.runnymedetrust.org/about.html (23-8-2019)

۴۔ ایضاً، ص۵

۵۔ Mohsine Elahmadi , "Soheib Bencheikh, *Marianne and the Prophet* ", in *Social Sciences of Religions Archive* , 118 | 2002, pp 87-151

۶۔ http://www. runnymedetrust.org/uploads/Islamophobia%20RReport%202018% 20Final.pdf (23-8-2019)

۷۔ Muhammad Anwar, "Muslims in Britain: Issues, Policy, and Practice," in *Muslim Britain: Communities under Pressure* , ed. Tahir Abbas (London: Zed, 2005), p 31

۸۔ https://www.un.org/sg/en/content/sg/statement/2004-12-07/address-dpi- - seminar confronting-islamophobia-education-tolerance-and (23-8-2019)

۹۔ Economic Forum, *Islam and the West: Annual Report on the State of* World *Dialogue 2008* (Geneva: World Economic Forum, 2008) http://www. weforum. org/pdf /C100/ Islam_West.pdf,p 21.(23-8-2019)

۱۰۔ International Helsinki Federation, *Intolerance and Discrimination against Muslims in the EU, p 78. (23-8-2019)*

۱۱۔ International *Action against Racism, Xenophobia, Anti-Semitism and Intolerance in the OSCE Region* (OSCE and ODIHR, 2004).(23-8-2019)

۱۲۔ https://www.pewresearch.org/fact-tank/2017/11/15/assaults-against- -/muslims-in-u-s surpass-2001-level (23-8-2019)

۱۳۔ https://www.pewresearch.org/fact-tank/2019/07/29/europe-experienced-a-surge-ingovernment-restrictions-on-religious-activity-over-the-last- - -/decade (23-8-2019)

۱۴۔ https://www.nzherald.co.nz/nz/news/article.cfm?c_id=1&objectid=12215056https://www.aljazeera.com/indepth/opinion/zealand-christchurch-attack - 190323143110863.html (23-8-2019)

۱۵۔ http://thewalrus.ca/why-the-trudeau-governent -wont-call-out-islamophobia /(23-8-2019)

۱۶۔ *Islamophobia and the Challenges of Pluralism in the 21st Century*, eds. John L. Esposito and Ibrahim Kalin (NewYork: Oxford University Press, 2011); *Islamophobia and Radicalization: Breeding Intolerance and Violence*, eds. John L. Esposito and , Derya Iner, (Switzerland: Palgrave Macmillan, 2019).

۱۷۔ http://www.pewresearch.org/fact-tank-2017/04/06/why-muslims-are-the-worlds-fatest-growing-religious-group/(23-8-2019)

۱۸۔ اس نظریہ تصادم کے حاملین نے اپنے تئیں اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کے مابین پائے جانے والے ان عناصر کی نشاندہی کی کوشش کی ہے جو تصادم کا باعث بن سکتے ہیں، دیکھیے: سموئیل پی ہنٹنگٹن(۱۹۲۷-۲۰۰۸) کی کتاب "The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order" اور فرانسس فوکویاما(پ ۱۹۵۲) کی کتاب:"The End of History and the Last Man"۔

۱۹۔ Valerie Amiraux, "The Headscarf Question: What Is Really the Issue?" in *European Islam: Challenges for Society and Public Policy* (Brussels: Center for European Policy Studies, 2007), pp 124–43

۲۰۔ Ekmeleddin Ihsanoğlu, "foreword", in *Islamophobia and the Challenges of Pluralism in the 21st Century*, pp viii-ix

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ یعنی اسلام کو عیسائیت کی نہایت بگڑی ہوئی شکل قرار دینا اور نبی کریم ﷺ کو اس کا ذمے دار قرار دینا تاکہ عیسائی مذہبی طبقات کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کیا جاسکے، نیز اسلام کو ایک بت پرست مذہب اور پیغمبر اسلام ﷺ کو (نعوذ باللہ) ایک بت کی شکل میں مسلمانوں کا خدا بنا کر پیش کرنا اور مسلمانوں کو انتہائی مکار، ڈاکو اور خونخوار باور کرانا۔ وغیرہ۔ تفصیل

کے لیے دیکھیے: قریشی، ظفر علی، Prophet Muhammad and His Western Critics، ۱۹۹۲ء، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، لاہور

۲۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ایڈورڈ سعید، Orientalism، ۱۹۹۵ء، انڈیا، پین جیم بکس. فلسطینی نژاد امریکی پروفیسر ایڈورڈ سعید کی اس کتاب کی پہلی اشاعت ۱۹۷۸ء میں سامنے آئی۔ ۱۹۹۵ء اور پھر ۲۰۰۳ء کی اشاعتوں میں مصنف نے اپنے اوپر ہونے والی تنقید کے جواب بھی دیے ہیں۔

۲۴۔ Seehttps://www.bbc.com/news/world-europe-21417767; http:// www. acommon word.com (23-8-2019)

۲۵۔ Craig Gilbert, "Feingold Decries Creation of Term 'Islamic Fascism': Bush Description Flawed, Insulting, Critics Say," in *Milwaukee Journal Sentinel* (Sept. 11, 2006) 23-9-2019

۲۶۔ Mohammad Nimer "Islamophobia and Anti-Americanism: Measurements, Dynamics, and Consequences" in *Islamophobia and the Challenges of Pluralism in the 21st Century*, pp 77-92.

۲۷۔ David Gow and Ewen MacAskill, "Turkish accession could spell end of EU, says commissioner," *Guardian* (Sept. 8, 2004). http://www. guardian. co. uk/ world/ 2004/ sep/ 08/turkey.eu

۲۸۔ European Union Monitoring Center on Racism and Xenophobia, *Muslims in the Europen Union*, http://fra.europa.eu/fraWebsite/attachments/ Manifestations_ EN.pdf (23-8-2019)

۲۹۔ See https://www.bbc.com/news/world-europe-21417767; http:// www. acommon word.com (23-8-2019)

۳۰۔ See: Tariq Ramadan, *Western Muslims and the Future of Islam,* 2004, New York: Oxford University Press; *British Muslims: Loyalty and Belonging*, ed. Mohammad Siddique Seddon, Dilwar Hussain, and Nadeem Malik, 2003, Leicester, UK: Islamic Foundation.

۳۱۔ Tufyal Choudhury, "Muslims and Discrimination," in *European Islam: Challenges for Society and Public Policy*, ed. Samir Amghar, Amel Boubekeur,

and Michael Emerson, 2007, Brussels: Center for European Policy Studies, pp.77–106.

۳۲۔ الانفال:۳٦

۳۳۔ جوناگڑھی، مولانا محمد، اردو ترجمہ قرآن (بر تفسیر احسن البیان، از صلاح الدین یوسف)، ۱۹۹۸ء، ریاض: دار السلام، ص ۴۵۴

۳۴۔ المائدۃ:۲

۳۵۔ Evan Roberts, "U.N. rights chief sees bigotry in Europe on Islam," Reuters, Sept. 17, 2007, http://www.reuters.com /article /worldNews/ idUSL 178978 60200 70917

۳٦۔ Petra Wild, *Lieblingsfeind Islam: Historische, politische und sozialpsychologische Aspekte des antimuslimischen Rassismus* (Eng. FAVORITE ENEMY ISLAM: Historical, Political and Social Psychological Aspects of Anti-Muslim Racism) Germany: Promedia Verlag, 2018.

۳۷۔ آل عمران:٦۴

۳۸۔ Charles Taylor, "The Politics of Recognition," in *Multiculturalism and the Politics of Recognition*, ed. Amy Gutmann, 1992, Princeton, NJ: Princeton University Press.

۳۹۔ Abdallah bin Bayyah, "Shared Values," in *The State We Are In: Identity, Terror, and the Law of Jihad*, ed. Aftab Ahmad Malik, 2006, Bristol, UK: Amal, p 48.

۴۰۔ اس سلسلے میں یورپین کونسل برائے فتویٰ و تحقیق اور شریعہ کونسل لندن کا فقہی طرز اسلوب مغربی مسلم اقلیات کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہے۔

۴۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد **مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة**، ۱۹۸۷ء، بیروت: دار النفائس

۴۲۔ المائدۃ:۸